اداریہ

فلسطین کا المیہ!

(شیخ یٰسین کی شہادت)

فلسطین کے المیے پر دُنیا میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور ہم نے بھی مقدور بھر 'المعارف' میں اس المیہ پر لکھا ہے۔ لیکن وقت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ادھر ایک عرصہ سے اہلِ فلسطین پر کوئی دِن ایسا نہیں آیا، جب اس کے بچے، نوجوان، بوڑھے اور خواتین اسرائیل کے جنگی طیاروں اور ٹینکوں کا نشانہ نہ بنے ہوں، لیکن آسمان ابھی تک ان غریبوں کا نالہ و بکا سننے کے لیے تیار نہیں۔ بے شبہ بعض عالمی ادارے اور شخصیات فلسطین میں آدم کی ارزانی پر چیخ اُٹھے ہیں۔ لیکن اسرائیل کے ہاتھوں انسانی خون کا گرنا اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اسرائیل کے خلاف اُٹھنے والی عالمی آوازیں بھی تھک ہار کر خاموش ہو گئی ہیں۔ آخر وہ اسرائیل کی کس کس حرکت پر اور کب تک آواز اُٹھائیں، خاص طور پر جب عالمی سٹیج پر ان طاقتوں نے قبضہ کر رکھا ہو، جو انسانی آزادی، اخلاقی قدروں اور امن و آشتی سے اپنے ''مضبوط پیمانِ وفا'' کا پروپیگنڈا کرنے میں تو ماہر ہیں، لیکن سلامتی کونسل میں اسرائیل کی خونی کارروائیوں کے خلاف ہر قرارداد کو مسترد کر دیتی ہیں۔

ایک برطانوی فلسفی Sir R. Livingstone نے سچ کہا تھا کہ ''یہ قوموں کی بدقسمتی ہے کہ سقراط زندہ نہیں اور نہ ہی اس نے اپنا کوئی جانشین چھوڑا۔ ورنہ وہ سیاست دانوں اور صحافیوں سے پوچھتا کہ آخر تم آزادی، جمہوریت اور غیر طبقاتی سوسائٹی کے الفاظ بول کر کیا مراد لیتے ہو؟''(۱)

---

(۱) It is the misfortune of every nation that Socrates is not alive and has left no successors. (Plato, London, 1960, مقدمہ).

اسرائیل نے اپنی حالیہ کارروائی میں فلسطین کے روحانی رہنما یٰسین کو شہید کر دیا ہے اور کھل کر اس 'جرم' کا اعتراف کیا ہے کہ یہ کارروائی وزیراعظم کے حکم پر کی گئی ہے۔ یہ وزیراعظم وہی ہیں، جنہوں نے ۱۹۸۲ء میں لبنان میں فلسطینی مہاجروں کا قتلِ عام کیا تھا۔ اور آج تک اس جرم کی سزا سے بچ نکلنے میں کامیاب رہا ہے۔ 'لطف' کی بات یہ ہے کہ بش انتظامیہ نے شیخ موصوف (یٰسین) کی شہادت پر بیان دیا ہے کہ 'اسرائیل کو اپنے دِفاع کا حق حاصل ہے'۔ صدر بش نے صحیح فرمایا، لیکن حضرت! آپ یہی حق اہلِ فلسطین کو کیوں نہیں دیتے کہ وہ اپنی سرزمین کی آزادی کے لیے اسرائیلی جارحیت کو ختم کریں۔ ہم نے بہ صد ادب عرض کیا تھا کہ بش انتظامیہ امریکی دانشوروں کی فکری اور فلسفیانہ روایات کو غرقِ دریا نہ کرے اور اپنی کھوئی ہوئی شخصیت کی تلاش میں خود اپنی گھات میں بیٹھے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج مغرب خاص طور پر امریکہ اگر مشرقِ وسطیٰ کے المیہ پر خاموش ہے، تو یہ بات موجبِ حیرت نہیں، کیونکہ اس المیہ نے اینگلو-امریکن سیاست ہی کے بطن سے جنم لیا ہے۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ مسلم اور عرب دُنیا اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے ابھی تک سنجیدگی سے کوئی مربوط اور ٹھوس پروگرام بنانے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ تاریخ ہماری گزشتہ پچاس سالہ اجتماعی اور سیاسی روش پر ایک مدت تک ماتم کرتی رہے گی۔ جب افریشائی قومیں اپنی آزادی سے ہم کنار ہو کر جمہوری بنیادوں پر اپنی اجتماعی زندگی منظّم کر رہی تھیں، مشرقِ وسطیٰ کے حکمران اخلاقی، جمہوری اور فلاحی بنیادوں پر حکومت کو استوار کرنے کی بجائے اپنی ''انا'' کے قیدی بنے رہے اور پٹرول جیسی دولت سے مشرقِ وسطیٰ کے عوام نہیں بلکہ مقامی حکام اور مغربی قومیں لطف اندوز ہوتی رہیں۔ غنی کاشمیری نے سچ کہا ہے:

غنی روزِ سیاہ پیر کنعاں را تماشہ کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

آج دُنیا میں مشرقِ وسطیٰ کے خلاف انتہاپسندی اور دہشت گردی کے نام سے جو پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ کیا اس پر مغربی حکومتوں اور ان کے دوستوں نے کبھی غور و فکر سے کام لیا

ہے؟ کہ آخر ان 'نظریات' کے اسباب وعوامل کیا ہیں کہ جوان بچے، بچیاں اسرائیل کے فوجی مظالم کے جواب میں اپنے آپ کو بارود سے اُڑا دیتی ہیں؟ یا وہ بعض مغربی یا امریکی حکومتوں کے غیر جمہوری اور غیر اخلاقی اسرائیل نواز روّیے کے خلاف مظاہرہ کرتے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ کے معاشروں میں انتہا پسندی اور تشدد کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ جب انہیں اپنی غیر جمہوری حکومتوں کے روّیوں سے بنیادی حقوق نہیں ملتے، عدالتوں میں انصاف دِکھائی نہیں دیتا، اور انصاف مانگتے مانگتے زندگی دم توڑ دیتی ہے۔ کالجوں اور درسگاہوں میں غریب والدین اپنے بچوں کو نہیں پڑھا سکتے کیونکہ تعلیم تجارت بن گئی ہے۔ تو اس سے پورے اجتماعی اور سیاسی نظام کے خلاف جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں۔ عوام یہ بھی جانتے ہیں کہ مغربی حکومتیں جن کے معاشروں میں نظم وضبط ہے، قانون وروایات کی حکمرانی ہے، قدم قدم پر انسانی وقار مجروح نہیں ہوتا۔ یہی مغربی حکومتیں اسرائیل کی نازی حکومت کے ساتھ ساتھ مشرقِ وسطیٰ میں اُنہی فاسد اور آمرانہ حکومتوں کی تائید کرتی ہیں، جو اپنے معاشروں میں نظم وضبط، قواعد وضوابط اور انسانی حقوق برابر پامال کر رہی ہیں۔ اس فسطائیت اور سیاسی شیطنت پر عدل وانصاف سے محروم شہری بھڑک اُٹھتے ہیں اور ایسا ہونا فطری بات ہے، لیکن آپ کی لوبی میں اس کا نام انتہا پسندی ہے۔

جب تک مشرقِ وسطیٰ میں جمہوری، اخلاقی اور ثقافتی روایات کو فروغ حاصل نہیں ہوتا، عدل وانصاف کا بول بلند نہیں ہوتا اور عام شہریوں کو ان کے سیاسی، معاشی اور قانونی حقوق نہیں ملتے۔ اسی طرح جب تک اینگلو-امریکن سیاست اسرائیل کی فسطائی سیاست سے رشتہ نہیں توڑتی جس نے پورے فلسطین کو قید خانے میں بدل دیا ہے، اور مسلمانوں کے قبلۂ اوّل یروشلم میں زندگی کے تقدس کو ختم کر دیا ہے اور یہ سب کچھ اینگلو-امریکن دُعاؤں سے ہو رہا ہے، اس وقت تک مشرقِ وسطیٰ کے معاشرے میں ٹھہراؤ اور سکون نہیں آ سکتا۔ کیا اس خون چکاں داستان کے بعد اینگلو-امریکن سیاست عربوں یا مسلمانوں کو اعتدال پسندی، رواداری اور ضبطِ نفس کا درس دے سکتی ہے؟ جب تک یہ نفاق اور یہ سیاست ختم نہیں ہوتی، اس وقت تک انتہا پسندی اور تشدد کے خلاف وعظ وارشاد کی باتیں کوئی وزن نہیں رکھتیں، ورنہ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ

اسلام عقیدے اور مذہب کی آزادی کو تسلیم کرتا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عقیدے کی آزادی کو قدیم دُنیا میں رومن امپائر نے حالات سے مجبور ہو کر مغرب میں اور اشوک اعظم نے آگ کے دریا سے گزر کر مشرق میں تسلیم کیا تھا۔ لیکن ایک وقت کے بعد یہ شاندار روایت ترک کر دی گئی تھی۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ مذہب اور جمود، مذہب اور تشدد یا جہالت دو مترادف لفظ بن گئے تھے۔ جدید دُنیا میں اسلام پہلا آسمانی مذہب ہے، جس نے اپنی دعوت کے آغاز ہی میں انسان اور عقیدے کی آزادی کا اعلان کیا۔(۱)

مسلم اور غیر مسلم کے درمیان باہمی تعلقات کی بنیاد جنگ پر نہیں امن و آشتی پر ہے۔ ایسے ہی مسلم اور غیر مسلم کے درمیان جنگ کی بنیاد 'کفر' اور 'عدم اسلام' نہیں، بلکہ 'جارحیت' (Aggression) ہے۔ یہ سب باتیں قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہیں۔ اور عہدِ حاضر کی تاریخ اور خود مغرب کے سکالرز نے ان حقائق کو تسلیم کیا ہے۔ یہاں اس واقعہ کا ذکر دلچسپی سے پڑھا جائے گا کہ جب سولھویں صدی میں سپین میں عرب مسلمانوں پر مقدمات چلے تو عربوں کے خلاف جرائم کی جو فہرست تیار کی گئی، ان میں ایک 'جرم' یہ تھا کہ یہ لوگ عقیدے کی آزادی کے قائل ہیں۔ اس جرم پر جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب 'تاریخِ عالم' میں لکھا ہے کہ ''کیا عظیم خراجِ تحسین ہے جسے غیر شعوری طور پر سپین کے عربوں کو ادا کیا گیا ہے۔''(۲)

ہم نے اس موضوع پر المعارف کے صفحات میں بار بار لکھا ہے:(۳)

ہمیں نہایت ہی دُکھ سے لکھنا پڑتا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ اور مسلم ممالک کے اکثر سیاست دان نہ تو اپنے گردوپیش کی تاریخ سے سبق لیتے ہیں اور نہ ہی اپنے ملک کی سیاسی تاریخ

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: 'فکری آزادی کی تاریخ'، از J.B.Bury، اور 'زندگی ہندو نقطۂ نظر سے' از رادھا کرشنن۔

(2) "What a great compliment was thus paid un-wittingly to the saracenes in Spain." (History of the World, p.299).

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: المعارف، اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۱ء، اداریہ: اسلام اور امن و آشتی۔

کے تلخ حقائق سے عبرت پکڑتے ہیں۔ ہماری اجتماعی اور سیاسی زندگی کی تاریخ کا یہ عجیب تماشہ ہے کہ ہماری سیاست اکثر اینگلوامریکن سیاست کے قدم بہ قدم چلتی رہی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب اینگلو-فرنچ سیاست نے اسرائیل کے ساتھ مل کر مصر پر حملہ کیا، تو ہمارے ایک سابق وزیر خارجہ نے نہرسویز پر مصری قبضہ کو ناجائز قرار دیا لیکن دہلی حکومت نے صدر ناصر مرحوم کے موقف کی تائید کرتے ہوئے اینگلو-فرنچ حملہ کی سخت مذمت کی۔ اسی طرح جب ۱۹۸۰ء میں آنجہانی سویت یونین کی فوج نے افغانستان میں قدم رکھا تو امریکہ نے افغانستان میں روس کے خلاف فیصلہ کن جنگ کا آغاز کر دیا اور ہماری مذہبی سیاست کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔ اس جنگ نے ہمیں کلاشنکوف، منشیات اور ڈالر کلچر کا تحفہ دیا۔ افغانستان جو صدیوں تک آزاد منش قبائل کا ٹھکانہ رہا، ویرانے میں بدل گیا۔ امریکہ فتح و نصرت کے جھنڈے لہراتا ہوا واشنگٹن پہنچ گیا۔ ساری مغربی دُنیا نے 'بندۂ مزدور' کی شکست اور سرمایہ دارانہ نظام کی فتح پر جشن منایا اور تاریخ کے خاتمے (The End of History) کا اعلان کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ سویت یونین کے سقوط سے دُنیا میں طاقت کا توازن بدل گیا اور عالمی سٹیج پر صرف ایک ہی طاقت رہ گئی، جو آج اقتدار کے نشے میں مشرقِ وسطیٰ میں پولیس مین کا کردار ادا کر رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عالمی سٹیج پر ایک ہی سیاسی طاقت کا قبضہ انسانی فلاح و بہبود، اخلاقی اور روحانی قدروں کے خلاف ایک بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ قرآن کے فلسفۂ تاریخ نے یہی بتایا ہے۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ اگر خدائی قانون (عالمی سٹیج پر) بعض لوگوں یا قوموں کے ہاتھوں دوسری قوموں کی مدافعت نہ کراتا رہتا (ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ظلم و تشدد کرنے کے لیے بلا روک ٹوک چھوڑ دیتا) تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی۔ خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں، مسجدیں، جن میں کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ (سورۃ الحج: ۴۰) اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج اسرائیل جن طاقتوں کے زیرِ سایہ مشرقِ وسطیٰ میں انسانی بستیوں کو بڑی بے رحمی سے ویران کر رہا ہے، اپنے انجام کو یقیناً پہنچے گا۔ اور اس کا سرپرست بھی تاریخ کے سٹیج سے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔ یہاں رینے گینوں (Rene Guenon) نے یہ سوال اُٹھایا ہے: ''کیا

مشرق جدید اثر کے نتیجے میں عارضی طور پر بحران کا شکار ہوگا؟ کیا یہ مغرب کا مقدر بن چکا ہے کہ وہ اپنے زوال کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کو بھی لے ڈوبے؟ موجودہ وقت میں یقین کے ساتھ اس سوال کا جواب مشکل ہے۔''(۱) نظر آ رہا ہے کہ اب ایک نئی تیسری طاقت عالمی سٹیج پر آ کر اپنا مثبت کردار ادا کرے گی۔ امریکہ اور مغرب کو اس ''نئی طاقت'' کے ظہور کا شعوری بالاشعوری احساس ہے۔

وقت آ گیا ہے کہ مسلم دُنیا کے اربابِ اقتدار اور دانشوروں کو یہ نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیے کہ عوام اپنے سیاسی، معاشی اور قانونی حقوق سے بہرہ ور ہو کر ہی ایک نئے معاشرے کی تخلیق کے لیے کام کر سکتے ہیں۔ یہی ایک راہ ہے، جس پر چل کر ہم انتہاپسندی، تشدد، قتل و غارت کے رجحانات پر قابو پا سکتے ہیں۔

اسی طرح جب تک فلسطین، یروشلم (بیت المقدس)، لبنان میں اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں کو جو اس کی بیمار نفسیات کی ترجمان ہیں، اینگلو-امریکن سیاست کی اشیرباد حاصل ہے۔ اس وقت تک 'انتہاپسندی' اور 'خودکش' حملوں پر قابو پانا امریکہ یا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اس پر قابو پانے کی ایک ہی راہ ہے کہ فلسطین اور عراق میں وہاں کے باشندوں کو اپنی سرزمین پر وقار سے زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔ اور اسرائیل کو مجبور کیا جائے کہ وہ ۱۹۶۷ء کی سرحدوں پر واپس چلا جائے۔ کیا اینگلو-امریکن سیاست اس موقف کو مان لے گی؟

بے شبہ پرامن شہروں، پرامن بستیوں اور بے گناہ شہریوں، بچوں اور خواتین کا خون بہانا ایک بڑا پاپ ہے، جس کی اجازت دُنیا کا کوئی مذہب اور کوئی اخلاقی فلسفہ نہیں دیتا، اور خاص طور پر اسلام، جس نے صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ ''ایک آدمی کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ برصغیر کی آزادی کے لیے علمائے حق نے ہمیشہ پرامن وسائل کو اختیار کیا۔ جب تحریکِ خلافت میں برطانوی سامراج سے عدم تعاون کا سوال اُٹھا تو

(1) "The crux of matter is this: Will the East, as the result of modern influences marely have to undergo... a crisis or is the west destined to involve the whole of mankind in its downfall." (Rene Guenon: "Crisis of the Modern World", London, 1973, p.99.)

مولانا محمود حسن دیوبندی سے فتویٰ پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ ''میرے رگ و پے میں برطانوی سامراج کے خلاف خون دوڑ رہا ہے، اس لیے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ جذبات فتویٰ نویسی پر اثر انداز نہ ہوں اور قرآن مجید کا ارشادِ گرامی ہے: ''اور دیکھو، ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات کے لیے اُبھار دے کہ (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔'' (المائدہ:۸) اس لیے یہ فتویٰ کفایت اللہ یا سیّد حسین احمد سے لیا جائے۔''

یہ ہے اخلاقی ذمہ داری کا گہرا احساس، جس سے علمائے حق کے قلوب روشن رہتے ہیں۔ کیا ایسے اہلِ علم بے گناہ شہریوں کا خون بہانے کے لیے 'خودکش' حملوں یا دہشت گردی کی اجازت دے سکتے ہیں؟

ع بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

رشید احمد (جالندھری)

Islamic Sharia and Its Application

with Special Reference to Pakistan

By:

Dr. Rashid Ahmed (Jullundhri)

Price: 100/-

Can be had from:

Institute of Islamic Culture

2-Club Road, Lahore.